R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

ٹیلیفون ۔ ۲۹
قیمت فی پرچہ

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۱۴ | ایڈیٹر آل احمد سرور | ۸ اپریل ۱۹۶۶ء

اداریہ

ایک خطرناک میلان

اردو دوستوں کو حکومت سے یہ بجا شکایت ہے کہ اس نے ابھی تک اردو کے جائز حقوق کو تسلیم نہیں کیا۔ ان حقوق کو نظر انداز کرنے سے صرف اردو زبان کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ جمہوریت کی روح اور دستور کے تقاضوں کے ساتھ بھی بے انصافی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں اکثریت بھی اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتی۔ اس کا فرض تھا کہ وہ جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق اقلیت کو مطمئن کرتی۔ اردو دوست برابر اپنی شکایات پیش کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہر موقع پر اپنی آواز بلند کی ہے۔ سنجیدہ حلقوں سے ان کی آواز کی تائید بھی ہوئی ہے۔ بعض ریاستوں میں پہلے سے بہتر حالت ہے اور کچھ سہولتیں دی بھی گئی ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ جو ہوا ہے وہ بہت کم ہے اور ابھی یہ خطرہ باقی ہے کہ اردو کی ترقی تو درکنار اس کی بقا بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ اس لیے جہاں اردو دوستوں کا فرض یہ ہے کہ وہ تمام محبان وطن اور جمہوریت کے پرستاروں کو اپنا ہم خیال بنائیں اور تمام سیاسی پارٹیوں سے اپنے مطالبات کی تائید حاصل کریں، وہاں یہ بھی فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں ابتدائی یا ثانوی اسکول خود کھولیں اور حکومت سے اس کے لیے امداد طلب کریں۔ مگر بعض حلقوں میں اردو کے حقوق کو بھوک ہڑتال یا ستیہ گرہ کے ذریعہ سے منوانے کی اپیل کی گئی ہے یا یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ووٹ صرف انھیں کو دیا جائے جو اردو کے حقوق کو منوانے کا وعدہ کریں۔ بظاہر یہ دونوں باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، مگر ہمارے نزدیک یہ ہمارے مسئلے کو حل نہیں کر سکتیں۔ بھوک ہڑتال اپنی جگہ قابل قدر چیز ہے مگر اس کے پیچھے بہت بڑی اخلاقی اور روحانی قوت کی ضرورت ہے۔ گاندھی جی نے اس کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ اس کے بعد چند افراد کے سوا اسے ایک سیاسی دباؤ کے طور پر استعمال کیا گیا اور اس سے جو مسئلہ حل ہوا اس کے مقابلے میں اور بہت سے مسئلے کھڑے ہو گئے۔ جہاں تک صرف اردو کے حقوق منوانے والوں کو ووٹ دینے کا سوال ہے اور وہ موجودہ سیاسی حقائق کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اب جمہوریت میں سیاسی پارٹیوں کی اہمیت ہے افراد کی نہیں۔ سیاسی پارٹیوں میں سے ہر ایک کے حکومت بنانے کا سوال ہی نہیں۔ مخالف جماعتوں میں سے دو ایک کی ہی اتنی طاقت ہے کہ وہ حکومت بنانے کا خواب دیکھ سکتی ہیں۔ کئی سیاسی پارٹیوں نے اردو کے ساتھ انصاف کے مطالبے کی تائید کی ہے، مگر صرف ووٹ لینے کے لیے۔ عمل کی دنیا میں ان کا کارنامہ زیادہ تابناک نہیں ہے۔ خود کانگریس جو کہتی ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس لیے عوام کو اردو کے قومی رول سے آگاہ کرنا، سیاسی پارٹیوں کو یہ احساس دلانا کہ اردو کے معاملے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور برسر اقتدار پارٹی اور اہم مخالف جماعتوں سے اردو کے مسئلے پر واضح یقین دہانی حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ ووٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ اس طرح اسے ضائع کرنا نہیں۔ ووٹ اس پارٹی کو دینا چاہیے جو سب سے زیادہ قومی مفادات کی حفاظت کر سکے، جمہوریت کے اصولوں پر چل سکتی ہو، اقلیتوں کے حقوق کی ضامن

اس شمارے میں

بن سکے اور اس پس منظر میں اردو کے مسئلے کو ایک قومی مسئلہ سمجھ کر اور اردو کو ایک قومی میراث مان کر اس کی بقا اور ترقی کے لیے راہیں نکال سکے، جو فرقہ واریت سے بلند ہو، جس کے پاس اخلاقی معیار ہو جو ہر ووٹ کی خاطر چھوٹے بڑے وعدے نہ کرے بلکہ اپنا واضح پروگرام رکھتی ہو اور اس پر عمل کرانے کی صلاحیت بھی۔ زبان کا مسئلہ بہت اہم ہے مگر زبان کے مسئلے کو بھی قومی سیاست کے وسیع پس منظر میں دیکھنا ضروری ہے۔

ایک مناسب اعتراف

اترپردیش کی حکومت ہر سال ہندی، اردو اور سنسکرت کی کتابوں پر انعامات دیتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ممتاز ادیبوں کو ان کے بلند پایہ کارناموں کی بنا پر خاص انعامات بھی دیتی ہے۔ امسال پانچ ہزار روپے کا ایک خاص انعام مولانا عبدالماجد دریابادی کو اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا گیا ہے۔

اترپردیش کی حکومت نے یہ بہت اچھی بات کی اور اس کی وجہ سے وہ ہمارے شکریے کی مستحق ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اردو کے نہایت ممتاز ادیب اور انشاء پرداز ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اس خوبی کو مناسب اہمیت نہ دیتے ہوں لیکن ہمارے نزدیک اُن کی یہی حیثیت سب کے نزدیک مسلّم اور متفقہ طور پر مانی ہوئی ہے "بقائے دوام کے دربار" میں اس کی وجہ سے اُن کی جگہ محفوظ ہے مولانا نے فلسفے اور نفسیات کے کئی اہم مسائل سے اردو کو آشنا کیا ہے۔ انھوں نے سوانح نگاری اور ادبی تنقید دونوں کے بڑے قابل قدر نمونے پیش کیے ہیں۔ صحافت میں بھی ان کا کارنامہ بڑا وقیع ہے اور ان کے شذرات اپنے اسلوب بیان خصوصاً طنز کی وجہ سے ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ اب اشعار سے اس طرح کام لینے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔ مولانا آج کے سماج کے اکثر شکوہ سنج رہتے ہیں۔ اس لیے اور بھی ہم اس اعتراف پر خوشی محسوس کرتے ہیں اور اس پر حکومت کو اور مولانا کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اس اعتراف سے مولانا کا ادبی رتبہ نہیں بڑھا، ہاں اس حکومت کی قدر شناسی کا تھوڑا سا ثبوت تو ملا جو اردو زبان کے حقوق کے معاملے میں بہت بے پروا ہے۔

سیربین

فلی پین کے صدر مارکوس نے اپنی کابینہ کے وزیروں پر سو دن کی یہ پابندی لگا دی کہ وہ تقریریں نہ کریں تاکہ اپنے سرکاری کاموں پر پوری توجہ کر سکیں۔ اب انھوں نے پابندی کی مدت فلی پین کی کانگریس کا اجلاس ختم ہونے تک بڑھا دی ہے۔ اگر ہمارے یہاں بھی اس قسم کی پابندی لگا دی جائے تو ہر طرح قوم کا فائدہ ہو گا۔ وزیر اپنے منصبی کاموں پر زیادہ توجہ کر سکیں گے، عوام بہت سی طول طویل اور اکثر غیر ضروری تقریریں سننے سے بچ جائیں گے۔ وہ توانائی جو تقریریں کرنے اور تقریریں سننے میں ضائع ہوتی ہے وہ مفید کاموں میں صرف ہو سکے گی اور پھر بہت کچھ کہنے کے باوجود کچھ نہ کہنے کے آرٹ کو ترقی نہ ہو سکے گی۔

فرانس میں کسی جگہ امتحان ہو رہا تھا۔ ایک لڑکے کو نگراں نے بار بار اپنے پن منہ پر رکھکر کچھ بڑبڑاتے دیکھا۔ امتحان کے کمرے سے کچھ دور ایک صاحب کو ایک بکس میں کچھ باتیں کرتے بھی پایا گیا۔ تحقیق سے پتہ لگا کہ صاحبزادے ایک آلہ لگائے ہوئے تھے اور باہر اپنے باپ سے اس کے ذریعہ سے ربط قائم کیے ہوئے تھے۔ صاحبزادے سوال بتاتے تھے۔ ابا جان جواب لکھوا دیتے تھے۔ دونوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں ایسی واردات تو ابھی تک نہیں ہوئی، ہاں چاقو رکھکر نقل کرنے کی اور نگراں استادوں کو جان تک سے مار دینے کی خبریں ضرور اخباروں میں دیکھنے میں آئیں۔ فرانس میں ایسے طالب علم جدید ترین ایجادات سے کام لیتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں قتل کی دھمکی، مار پیٹ اور چھری چاقو کے استعمال کے پرانے طریقے رائج ہیں۔ اب تو کالجوں کے اساتذہ امتحان کی نگرانی کرتے ڈرتے ہیں اور کبھی کبھار پولیس کی نگرانی میں امتحان کرانا پڑتا ہے۔ دیکھیے ان حالات کی کب اصلاح ہوتی ہے۔

فرانس اور اسپین کی سرحد پر ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے سربراہ نے فرانس کی حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہاں کی تیس لاکھ کنواری عورتوں میں سے کچھ کو اُن کے علاقے میں بھیج دیا جائے، کیونکہ اس علاقے میں کنوارے مردوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور وہ وہاں کی آبادی کے لیے ایک مسئلہ بنتے جا رہے ہیں۔

خیال اچھا ہے اس سے نہ صرف کچھ کنوارے مردوں کا بھلا ہو گا بلکہ کچھ کنواری عورتوں کا بھی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ان عورتوں نے شادی نہ کرنے کی ہی ٹھان لی ہو۔

جشن اثر

لکھنؤ ۳۰ / مارچ۔ اردو کے مشہور غزل گو شاعر نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے انجمن شعرائے لکھنؤ کے زیر اہتمام "جشن اثر" سنیچر ۱۹ / اپریل کو کشمیری محلے میں ہو گا۔

جشن کا افتتاح وزیر انصاف سید علی ظہیر اور صدارت پنڈت آنند نرائن ملا سابق جج الہ آباد ہائی کورٹ کریں گے۔ (قومی آواز)

حنیف نقوی

مصحفی کا سنہ ولادت

مصحفی کے سال ولادت کے سلسلے میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ خود مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں جس کا سنہ تکمیل ۱۲۳۶ ہجری ہے اپنی عمر "قریب بہشتاد سال" بتائی ہے۔[۱] اس اعتبار سے ان کی پیدائش ۱۱۵۶ھ کے دو ایک سال بعد کا واقعہ قرار پاتی ہے۔ دیوان ششم مرتبہ ۱۲۲۴ھ میں اپنا سن ساٹھ سے متجاوز بتاتے ہیں۔[۲] اس حساب سے سال ولادت ۱۱۶۴ھ سے ایک دو برس قبل متعین ہوتا ہے۔

مجمع الفوائد میں لکھتے ہیں کہ تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ لکھنؤ میں مقیم ہوں اور اس وقت میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے۔[۳] لکھنؤ میں مصحفی کی آمد کا سال ۱۱۹۸ھ ہے۔[۴] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "مجمع الفوائد" کی تصنیف ۱۲۲۸ھ کے قریب ہوئی ہے۔ چونکہ اس وقت عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی اس لیے سنہ پیدائش ۱۱۶۸ھ کے قریب طے پاتا ہے۔ گویا اپنے ایک بیان کے بموجب مصحفی ۱۱۵۶ھ کے ایک دو سال بعد، دوسرے کے مطابق ۱۱۶۴ھ سے دو ایک برس پہلے اور تیسرے بیان کی رو سے ۱۱۶۸ھ سے ایک آدھ سال قبل پیدا ہوئے ہوں گے۔ دیوان ششم کے دیباچے میں عمر کی صراحت سے قبل یہ بیان بھی موجود ہے کہ "تولدم در احمد شاہی است"۔ اس بیان سے ابراہیم عشری نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مصحفی احمد شاہ کے دور حکومت (۲ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۷۴۸ء تا ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ مطابق ۲ جون ۱۷۵۴ء) میں پیدا ہوئے۔[۵] اس کے بعد انھوں نے ریاض الفصحا اور دیوان ششم کی مختلف روایتوں میں مطابقت کی غرض سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سال ولادت ۱۱۶۱ھ کے قریب سمجھنا چاہیے۔[۶] استدلال اس لحاظ سے قابل قبول معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رو سے ۱۲۲۴ھ میں دیوان ششم کی ترتیب کے وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کے قریب یعنی ساٹھ برس سے متجاوز اور ۱۲۳۶ھ میں ریاض الفصحا کی تکمیل کے زمانے میں پچھتر سال یعنی اسی برس کے قریب طے پاتی ہے۔ لیکن مجمع الفوائد کی روایت پر اس کا انطباق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ۱۱۶۱ھ کو سال ولادت مان لیا جائے تو لکھنؤ میں آمد کے وقت ان کی عمر سینتیس سال اور وہاں رہتے ہوئے تیس سال سے زائد مدت گزر جانے کے بعد مجمع الفوائد کی تصنیف کے وقت ستر سال کے قریب ہوگی۔ اگر واقعی اس وقت مصحفی کی عمر ستر سال کے قریب ہوتی تو وہ اس کتاب میں یہ لکھنے کی بجائے کہ "حالا سن عمر از شصت متجاوز است" یقیناً یہ لکھتے کہ "حالا سن عمر قریب بہ ہفتاد رسیدہ است"۔

اس صورت حال کے پیش نظر مصحفی کے تمام بیانات پر از سر نو غور کیا تو معاً یہ بات ذہن میں آئی کہ "احمد شاہی" سے مصحفی نے احمد شاہ کے دور حکومت کی بجائے غالباً احمد شاہ ابدالی کے حملے کا زمانہ مراد لیا ہے۔ اس قسم کی مثالیں دوسرے مصنفین کے یہاں بھی بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً میر غلام حسین شورش عظیم آبادی اپنے تذکرے میں نادر شاہ کے حملے کے بعد کے زمانے کو "بعد نادر شاہی" سے تعبیر کرتے ہیں۔[۱] دلی پر احمد شاہ ابدالی کے پہلے حملے کی تاریخ ۲۸ جنوری ۱۷۵۷ء ۷ جمادی الاول ۱۱۷۰ھ ہے۔ اسی حملے کے دوران ۲ مارچ ۱۷۵۷ء ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۷۰ھ کو اس نے نواح دلی میں بلبھ گڑھ کا قلعہ بھی فتح کر لیا تھا۔[۲] اور مولوی عبدالقادر خانی رامپوری کے روزنامچے کے واسطے سے مصحفی کا یہ بیان ہم تک پہنچ ہی چکا ہے کہ ان کی ولادت دلی کے قریب "بلبھ گڑھ" میں ہوئی تھی۔[۳] اس سے یہ اندازہ ہے کہ وہ جمادی الثانی ۱۱۷۰ھ کے دوسرے ہفتے اور مارچ ۱۷۵۷ء کے عشرۂ اول میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

اس قیاس کی روشنی میں جب ہم مصحفی کے دوسرے بیانات پر غور کرتے ہیں تو مسئلہ کافی حد تک سلجھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ "مجمع الفوائد" میں انھوں نے اپنی عمر ساٹھ سے متجاوز اور لکھنؤ میں قیام کی مدت تیس برس سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ گویا ۱۱۹۸ھ میں جب وہ لکھنؤ آئے تو ان کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ ۱۱۷۰ھ کو سال ولادت تسلیم کرنے کی صورت میں اس زمانے میں ان کی عمر اٹھائیس سال کے لگ بھگ قرار پاتی ہے جو ان کے اس بیان کے عین مطابق ہے۔ لکھنؤ میں آمد کے وقت عمر کے اس اندازے کی تائید ان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "فارسی نثر و نظم میں میں نے دلی میں تیس سال کی عمر میں درجہ کمال حاصل کر لیا تھا، اس کے بعد جب لکھنؤ آیا تو یہاں مولوی مستقیم اور مولوی منظر علی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی۔"[۴]

اس تعیین کے بعد دیباچہ دیوان ششم اور "ریاض الفصحا" میں بیان کیے ہوئے عمروں کے اندازوں کی صحت و تصدیق کا سوال باقی رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ ۱۲۲۴ھ ۱۲۳۴ھ کی اور "قریب بہشتاد" "قریب بہفتاد" کی تصحیف ہے۔ اگر کتابت کی ان غلطیوں کو جو کسی طرح خارج از امکان نہیں، قبول کر لیا جائے تو دیوان ششم کی ترتیب کے وقت ان کی عمر یقیناً ساٹھ سے متجاوز چونسٹھ سال اور

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۲)

---

۱ ریاض الفصحا ص ۲۸۸

۲ بحوالہ ماہنامہ نگار مصحفی نمبر طبع ثانی ص ۳۹

۳ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور بحوالہ "تحقیقی مطالعے" از [illegible] ص ۱۹۷ و ۱۸۶

۴ مقدمہ دیوان ص ۱۴

۵ نگار مصحفی نمبر طبع ثانی ص ۴

---

۱ دیباچہ تذکرۂ شورش، مشمولہ ... "دو تذکرے" مرتبہ کلیم الدین جلد اول ص ۲۱

۲ میر کی آپ بیتی، مترجمہ نثار احمد فاروقی حاشیہ ص ۱۱۲ و ۱۱۳

۳ بحوالہ دستور الفصاحت، مرتبہ عرشی، حاشیہ ص ۴۳

۴ ریاض الفصحا ص ۲۰۷

عبدالقوی دسنوی

جگر مرادآبادی کا ایک سہرا

جگر مرادآبادی کا تعلق بھوپال سے بہت گہرا تھا۔ ان کی سوانح حیات بھوپال کے تعلق اور زندگی کو نظرانداز کر کے مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ پہلی بار ۱۹۳۲ء میں بھوپال تشریف لائے اور پھر تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا۔ بھوپال کا ادبی ماحول ان سے کافی متاثر تھا اور ان کا دلدادہ بھی۔ انھوں نے یہاں کی محفل شعر و شاعری میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔ جس کی تفصیل میں نے "جگر بھوپال میں" کے عنوان سے مجلہ سیفیہ کالج اردو میگزین ایک میں تحریر کی ہے۔ دراصل بھوپال جگر کو کھینچ کر انھیں لانے والی شخصیت نواب زادہ رشید الظفر خاں صاحب کی تھی۔ جو جگر کے بہت بڑے قدردان تھے اور ان کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب جگر نواب زادہ کی تقریب شادی میں شریک ہوئے تو ایک طرف دوستی، خلوص، اور محبت کا تقاضہ تھا کہ وہ اس خوشی اور مسرت کے موقع پر اپنی خوشیوں کا بھی اظہار کریں تو دوسری طرف ان کی خودداری مانع آ رہی تھی لیکن جذبہ محبت غالب آیا اور انھوں نے اس مبارک موقع پر سہرا[1] لکھا۔ جو ۲۰ر جولائی ۱۹۴۵ء کے ندیم میں شائع ہوا۔ ندیم کا یہ شمارہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ حکیم قمر الحسن صاحب (مدیر روزنامہ ندیم بھوپال) کی کوششوں سے اب حاصل ہو گیا ہے۔ سہرا حسب ذیل ہے:-

جگر، رشید الظفر میاں کو ہے نہ کیوں ناز کار سہرا
لکھا ہے پڑھ کر درود جس نام پر وہ دلکش سہرا
ہزار لکھے گئے "زکے" سہرے اور ان میں کوئی نگار سہرا
کہ جیسے سہروں کا انجمن میں ہے حسین تاجدار سہرا
نہ ہو کیوں معطر یہ گلشن اتنی خوشبو بہار سہرا
تمام حسن و شباب خوشتر تمام باغ و بہار سہرا
بنا ہے نوشہ کے رخ سے مل کر یوں ہی تو شاہکار سہرا
کہ جیسے خود باغبان فطرت کے ہاتھ کا شاہکار سہرا
ترے سراپا کا میں نے لکھا عجیب سا ہے بہار سہرا
کہ تو ہے دولہا حسن و خوبی تو اس کو ہے افتخار سہرا
نشاط اندر نشاط ہے عشق جمال اندر جمال منظر
قطار اندر قطار ہے بہار اندر بہار سہرا
جو اب اس حسن کا کہاں ہے عجیب عالم عجیب ساں ہے
تجلیاں رخ پہ ہیں تصدق تجلیوں پہ نثار سہرا
یہ دو دلوں کی محبتوں کی کشش بھی ہے کیا قیامت
ادھر بھی ہے بیقرار سہرا ادھر بھی ہے بیقرار سہرا
اگرچہ سلطان کی ہر جناب منزل سے کوئی کہہ دے
ہوائیں ہیں نیک شگون دعائیں ہیں گونج رہا ہے سہرا
رواے انجم پہ اپنے نازاں اگرچہ ہے کہکشاں بھی لیکن
کہاں وہ بے ربطی تسلسل کہاں یہ باغ و بہار سہرا
حیا و شوخی کے پاک جذبات تو یہ نوکی ہے سحرکاری
ابھی تو ہر تاب و تھا جو سہرا دیں ہے اب زر نگار سہرا
جو ادر مہر یار کی آنکھوں میں اتنی ٹھنڈک ہے صبح کی سی
دل برادر کے واسطے بھی ہے آمد نوبہار سہرا
خوشا کہ ہے شہریار[2] دلہن نور چشم جو اس نسبت
بجا ہے کہئے تمام سہروں کا اس کو گر شہریار سہرا
خود آج فرمانروائے بھوپال[3] مسند آرائے انجمن ہیں
تو کیوں نہ ذی مرتبت ہو جلسہ کیوں نہ ہو ذی وقار سہرا
حضور نواب[4] کی زباں پر بھی ہے یہ مصرعہ تو کیا تعجب
کہ بھائی مرحوم[5] کی نشانی کا ہے یہ اک یادگار سہرا
عجیب نسبت ہے یہ دلھن کی کہ بڑھ گئی آبروئے چمن کی
رخ ثریا[6] تک آتے آتے بنا ثریا وقار سہرا
خوشا یہ تلمیح روح پرور ہے یہ اجمال مصرع تر
ضیائے خورشید[7] و ظل سلطان[8] و رحمت کردگار سہرا
ہوائیں رحمت کی چل رہی ہیں دعائیں دل سے نکل رہی ہیں
بندھے سعید الظفر[9] میاں کے بھی سر پہ اک روز کاش ایسا
جگر سب احباب کی تمنا ہے اگر نہ بروقت کام آئے
تو کیا یہ کم ہے کہ بن رہا ہے لطافت رخ پہ بار سہرا

---

[1] ثریا جاہ قمر الدولہ بیگم صاحبہ "شہریار دلہن" والدہ محترم جناب نواب زادہ صاحب

[2] اعلیٰ حضرت سکندر صولت افتخار الملک نواب محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر دام اقبالہ

[3] عالی جناب محسن الملک نواب محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر فردوس مکان

[4] وقت آپ جناب ثریا خاتون صاحبہ فردوس دام اقبالہا

[5] عالی جناب صاحبزادہ خورشید احمد خاں صاحب بی۔ آئی۔ سی۔ آئی سی ڈی پی کمشنر جھانسی ڈویژن (خسر)

[6] محترمہ جناب رشیدہ سلطانہ بیگم صاحبہ (خوش دامن صاحبہ)

[7] عالی جناب کرنل نواب زادہ فخر الملک سعید الظفر خاں بہادر (برادر محترم جناب دولہا)

غزلیں

عتیق حنفی

ہم کہ جو بیٹھے ہوئے ہیں اپنے سر پکڑے ہوئے،
آپ ہی زنجیر ہیں اور آپ ہی جکڑے ہوئے۔
شام، پیلی راکھ میں خونِ شفق کا انجماد؛
رات، جیسے خواب بستہ ہوں، دن، اکڑے ہوئے
زنگ کے پہرے ہیں رخساروں کی آب و تاب پر
اور رنگوں کو ہیں زلفوں کی لٹیں جکڑے ہوئے۔
رات، کالی رات، پیڑوں کو بجاتی آندھیاں،
اور ہم بیٹھے عذابِ خواب میں پکڑے ہوئے
دھوپ نے ناخن ڈبوئے ہیں گلوں کے خون میں،
زخم خوردہ خوشبوئیں پھرتی ہیں سر پکڑے ہوئے۔

اختر اعظمی

آوارۂ قرار جہاں سب کے لیے ہے — فطرت کے اشاروں کی زباں سب کے لیے ہے
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں — یہ سلسلۂ ابرِ رواں سب کے لیے ہے
سورج کی چمکتی ہوئی کرنوں کی حرارت — کونپل کے لچکنے کا سماں سب کے لیے ہے
یہ رات کے ماتھے کا دمکتا ہوا جھومر — افلاک پہ یہ کاہکشاں سب کے لیے ہے
فصلِ گل و لالہ کی مہکتی ہوئی صبحیں — اور کیفیتِ بادِ خزاں سب کے لیے ہے
پرجوشِ نگہ مست جو تڑپ دے دلوں کو
وہ نشۂ رنگین کہاں سب کے لیے ہے

ذوق آفریدی

ہم نصیبوں جلے جل بجھے ہیں یہاں
اور کچھ پیڑ پودے لگا باغباں
کوئی تریاق کیا کام آئے یہاں،
زندگی زہرِ غم ہے مرے مہرباں
میری سانسوں میں بس جائے خوشبو تری
تیرے سینے پہ کھلتے رہیں گلستاں
زندگی نے سکوں ہی نہ پایا کہیں!
زندگی نے دیئے کتنے ہی امتحاں
تیرے ہم شکل و ہم رنگ کچھ کچھ سے !
کوئی کچھ سا ملا ہی نہیں میری جاں
راہ تو نے دکھائی کچھ اس رنگ سے،
راہ میں رہ گیا عشق کا کارواں۔
عشق بھی اور پھر عشق کی آگ بھی
جل رہا ہے چمن اٹھ رہا ہے دھواں
ہم بھی رہتے ہیں ظالم ترے شہر میں
ہم بھی سنتے ہیں ظالم تری داستاں

غالب کی شخصیت پر خوشی اور غم کی پرچھائیاں تھیں

۱۸ ویں نفسیاتی کانفرنس میں تجزیہ

نئی دہلی ۲۰ / مارچ چنڈی گڑھ کے پوسٹ گریجویٹ نفسیاتی تحقیق کے انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر این این وگ اور ڈاکٹر پریش ورما نے اس احساس نامرادی کا جائزہ لیا ہے جو اکثر فنکاروں اور افراد پر چھایا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وگ نے غالب کی شخصیت کو سوانح میں گردش کرنے والی قرار دیتے ہوئے کہا کہ غالب پر خوشی اور غم کی پرچھائیں برابر پڑتی رہتی تھیں ان کی غزلوں میں یہ متضاد جذبے برابر ابھرتے تھے ان غزلوں کے مطالعے سے ان کی شخصیت اور نامرادی کے احساسات کا معالجاتی تجزیہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی زندگی میں شاید نامرادی کا احساس ۱۸۴۷ء کے بعد بہت بڑھا جب وہ جوا کھیلنے کے الزام میں پکڑے گئے تھے اس کے بعد انھوں نے غالباً لکھا تھا

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی
پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

ڈاکٹر وگ کو غالب کا ایک خط ملا ہے جو جنوری ۱۸۵۲ء میں لکھا گیا تھا اس میں ایک ایسا جذبہ ہے جو ایک مریض کا معالج سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وگ کا کہنا ہے کہ غالب کبھی کسی دماغی مرض کا شکار نہیں رہے متضاد احساس و جذبات کی شخصیت شاید اس لیے بنی کہ ان کا چھوٹا بھائی پاگل ہو کر مر گیا، پانچ برس کے تھے کہ باپ کا اور نو برس کے تھے کہ چچا کا انتقال ہو گیا ایسا لگتا ہے کہ باپ کی موت نے ان پر گہرا نفسیاتی اثر ڈالا تھا۔

فارسی کا ذوق کیوں

ڈاکٹر وگ نے لکھا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس اور ٹوپی کے استعمال اور فارسی زبان سے غیر معمولی محبت بے سبب نہیں رکھتے تھے ان ایرانی روایات کے احترام سے وہ اپنے مرحوم والد کو احترام کی علامت بتاتے تھے جو باہر سے آئے تھے۔

ڈاکٹر وگ نے کہا کہ مسرت اور رنج دونوں جذبات کی چھاؤں میں غالب کی ایک شاندار شخصیت ابھری تھی۔ اگر وہ ایک وقت ذوق کے سہرے کا مذاق اڑاتے تھے تو دوسری طرف یہ بات بھی مان لیتے تھے کہ وہ ذوق سے کمتر شاعر ہیں دراصل بچپن میں بزرگوں کی موت نے عدم تحفظ کا جو احساس دیا تھا اس کی وجہ سے وہ اکثر کمزوری کا ثبوت بھی دیتے تھے۔

انھوں نے کہا ایک طرف وہ یار باش، خارجیت پسند بھی تھے اور بار ہمیشہ کوشش کہ عالم دوبارہ زیست کے نظریے کے پیرو تھے اور دوسری طرف ایک مذہب پرست ہونے کے اثرات سے وہ سنجیدہ اور متین بھی رہتے تھے، مجموعی طور پر وہ زندگی سے ناخوش اور غم زدہ تھے۔

(قومی آواز)

مراسلات

۶½ یا ½۶

آپ نے ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے ایک خط کا اقتباس اپنی ۲۲ مارچ کی اشاعت میں دیا ہے جس میں یہ بحث ہے کہ ساڑھے چھ کو ۶½ یا ½۶ لکھنا چاہیے بظاہر ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے ۶½ کے حق میں ہے اور آپ کی رائے ½۶ کے حق میں ہے میں ہمیشہ ½۶ لکھتا ہوں اور آپ کی اس دلیل سے متفق نہیں ہوں کہ انگریزی چونکہ بائیں سے داہنی جانب لکھی جاتی ہے لہٰذا اس میں ۶½ درست ہے اور اردو چونکہ داہنی سے بائیں جانب کتابت ہوتی ہے اس لیے ½۶ درست ہے۔

غالباً یہ بات جناب کے خیال شریف میں نہیں آئی کہ انگریزی میں ۶½ کو تو six and a half کہتے ہیں لیکن جب ½۶ بجے ہیں تو عبارت ہوگی half past six یعنی آدھے کا ذکر پہلے ہے ہماری زبان میں دونوں صورتوں میں ساڑھے چھ کہا جاتا ہے چاہے ساڑھے چھ روپے ہوں یا ساڑھے چھ بجے کا وقت اور یہ ظاہر ہے کہ اصولاً جس لفظ کا تلفظ پہلے ہو وہ پہلے آنا چاہیے ساڑھے چونکہ پہلے آتا ہے لہٰذا ½ پہلے ہونا چاہیے اور چھ اس کے بعد۔ البتہ ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے پیش کردہ اس ابہام کو کہ ½۵ سے مراد سوا پانچ ہے یا پونے پانچ ہیں ان کی قوت تخیل اور نزاکت احساس پر محمول کرتا ہوں۔

(گوپی ناتھ امن)

ایک استفسار کے جواب میں

۲۲ مارچ ۱۹۶۶ء میں ایک غزل کے بارے میں جو استفسار کیا گیا ہے اس کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ یہ غزل حضرت سید اصغر علی شاہ صاحب اصغر متوفی ۱۲۳۰ھ کی ہے۔ اس غزل پر میاں نظیر اکبرآبادی نے تضمین کی ہے جو ان کی کلیات مطبوعہ راجہ رام کمار پریس لکھنؤ صفحہ ۲۹ پر اصغر کی مذکورہ غزل کی تضمین کے عنوان سے درج ہے۔ حضرت اصغر کا ذکر بحیثیت شاعر نواب شیفتہ کی گلشن بے خار، قطب الدین خاں باطن کی گلستان بے خزاں، اور اسپر نگر کی معیار الشعراء (غالباً یہی نام ہے) اور دوسرے تذکروں میں ہے اور بحیثیت صوفی کے صوفیوں کے تذکروں مثلاً انوار العارفین، مخزونات الصوفیہ وغیرہ میں ہے۔ حضرت اصغر کا دیوان ۱۲۶۶ھ میں بہ تصحیح جام جمشید آگرہ میں دیوان اردو فارسی عجائب غرائب کے نام سے شائع ہوا تھا جس میں فارسی اشعار کی تعداد ۲۲۱۳ اور اردو اشعار کی تعداد ۹۱۵ ہے۔ سوال کرنے والے صاحب نے اس کے آخر میں جو شعر درج کیا ہے وہ حضرت اصغر کے دیوان میں اس طرح نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی کچھ اغلاط ہیں۔ پوری غزل یہ ہے:

جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
سب رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

گل ہے وہی سنبل ہے وہی نرگس حیراں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

مطرب وہی آواز وہی ساز وہی ہے
ہر تار میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

نزدیک وہ سب کے ہے جہاں اس سے ہے معمور
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

بے رنگ کے رنگوں کو یہاں دیکھ لے اصغر
سو طرح سے عالم کے خیابان میں آیا

(دیکش اکبرآبادی)

انجمن اساتذۂ اردو کی کل ہند کانفرنس

انجمن اساتذۂ اردو جامعات ہند نے اردو کی تعلیم اور اساتذۂ اردو کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ۸، ۹، ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۶۶ء کو دہلی میں اپنی کل ہند کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔

کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کی صدارت جناب کرنل بشیر حسین زیدی ممبر پارلیمنٹ نے منظور فرمالی ہے۔

امید ہے کہ ہندوستان کی ۴۳ یونیورسٹیوں اور ان سے متعلق ڈگری کالجوں کے اساتذۂ اردو اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔

کانفرنس میں اردو تعلیم، اردو نصاب، اردو تحقیق کے مسائل اور جدید ہندوستانی سماج میں اساتذۂ اردو کا منصب کے عنوانات کے تحت مقالات پیش کیے جائیں گے۔ جن پر چار مختلف کمیٹیوں میں غور و خوض ہوگا۔ (محمد حسن)

کاتبوں کی تربیت کا ادارہ قائم ہو

اسمال نیوز پیپرز ایڈوائزری کمیٹی کی سفارش

نئی دہلی ۱۰ مارچ۔ چھوٹے اخبارات کے بارے میں ایڈوائزری کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی سفارش کی ہے کہ اردو اخبارات کے لیے لیتھو کی طباعت سکھانے اور نئے کاتبوں کی تیاری کا کام خود مرکزی حکومت کے زیر اہتمام ہونا چاہیے۔

کمیٹی نے ہندوستان بھر میں چھوٹے اخبارات سے جو شہادتیں لی تھیں، ان میں اردو والوں نے عام طور پر یہ شکایت کی کہ کاتب عنقا ہوتے جا رہے ہیں، مدھیہ پردیش کے اخبار والوں نے بتایا کہ اب کام زیادہ آمدنی کا نہیں رہا اس لیے نئے کاتب پیشہ میں داخل نہیں ہو رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ قریبی مستقبل میں کاتب نایاب ہو جائیں گے۔

آندھرا پردیش میں اخبار والوں نے کمیٹی سے کاتبوں کی کمی کا شکوہ کیا تھا۔

کمیٹی سے جموں و کشمیر میں بھی اردو اخباروں نے کاتبوں کی کمی کی شکایت کی جہاں جہاں اخبارات کی تعداد بڑھی ہے وہاں اچھے کاتبوں کی کمی کی وجہ سے اخبارات کا ظاہری حسن متاثر ہو رہا ہے۔

دو اہم سفارشات

ایڈوائزری کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے ۱۱ویں باب "طباعت کی سہولیات" میں صفحہ ۱۷۵ پر گیارہویں سفارش میں لکھا ہے کہ اردو کی طباعت ابھی بڑی حد تک لیتھو کے طریقے سے ہوتی ہے۔ لیتھو گرافی ایک دشوار فن ہے اور چند سال پہلے تک آفسٹ اور لیتھو کے ذریعہ بڑی نفاست سے شائع ہوتے تھے لیکن اردو طباعت کا فن بڑی حد تک بگڑ گیا ہے کیونکہ اب یہ ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو کوئی سائنٹیفک تربیت نہیں رکھتے اور کئی کیمیائی اشیا کا بے جا طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اکثر پالی ٹیکنک اسکولوں میں لیتھوگرافی کی تربیت دی جاتی ہے مگر جو لوگ تربیت پا کر نکلے ہیں وہ اردو اخبارات اور کتابیں چھاپنے کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔ چونکہ لیتھوگرافی اردو رسم الخط کی طباعت کا سب سے زیادہ رائج طریقہ ہے اس لیے اس کا امکان کم ہے کہ قریبی مستقبل میں آفسٹ یا کوئی دوسرا طریقہ اس کی جگہ لے لے۔ یہ سفارش کی جاتی ہے کہ کاتبوں کی تربیت کا ایک اسکول کسی موزوں مرکز پر حکومت ہند کی سرپرستی میں قائم کیا جائے جس میں ریاستوں سے موزوں طلبا کو داخل کیا جائے۔ متبادل طریقہ یہ بھی ہے کہ موزوں مرکزوں میں پالی ٹکنیک اسکولوں میں خطاطی کو تعلیم کا ایک مضمون قرار دیا جائے۔ اس کا نصاب چار یا چھ ماہ کا ہو اور طلبا کے لیے کم سے کم علمی اہلیت ہائی اسکول ہو۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ ترقی کے امکانات محدود ہیں، کاتبوں کو معقول ابتدائی تنخواہ دی جائے۔ ہمارے خیال میں یہ ۱۲۰ روپیہ ماہوار ہونا چاہیے۔

سامان طباعت کا مسئلہ

کمیٹی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اردو اخبارات عام طور پر جو لیتھو روٹری مشین یا آفسٹ روٹری مشین استعمال کرتے ہیں، ان کی بھی کمی ہے۔ ان کو بھی ان مشینوں کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے جو اخبارات کی طباعت کو بہتر بنانے کے لیے درآمد کی جائیں۔ کاتب جو سیاہی اور کاپی لکھنے کا کاغذ استعمال کرتے ہیں وہ بھی ترقی اور اصلاح کے محتاج ہیں ان کے سلسلے میں سائنسی تحقیق ہو سکتی ہے۔

کتابت کی معیاربندی

کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری مزید سفارش ہے کہ اردو کتابت کی معیاربندی کے سوال کا ماہرین جائزہ لیں۔ وہ ایک ایسی ناپ مقرر کریں جو مختلف کاتبوں کی تحریروں میں باہمی فرق کو کم کر دے۔ ایسی اصلاحات سے کم جگہ میں زیادہ تحریر آ جائے گی اور تحریر ستھری اور پڑھنے میں آسان ہو جائے گی۔

گیارھویں باب کے سلسلے میں کمیٹی کے ایک ممبر اور "قومی آواز" کے ایڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب نے ایک ضمنی نوٹ میں لکھا ہے کہ ایڈوائزری کمیٹی نے پالی ٹکنیک اسکولوں میں کاتبوں کی تربیت اور اردو کتابت کی معیاربندی کی سفارش کی ہے میرے خیال میں اس نکتہ کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

اردو کتابت کی معیاربندی صدیوں پہلے ہوئی جب کہ طباعت اور اخبار ناپید تھے۔ اس وقت قلم کے قط کو ایک اکائی مقرر کر کے حروف کی ناپ اسی کی بنیاد پر مقرر کی گئی۔ اب اگر ہم اس ناپ کی جگہ سنٹی میٹر کی ناپ مقرر کر لیں تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس طرح مختلف کاتبوں کی تحریروں میں زیادہ اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

حیات اللہ انصاری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ایک اور مسئلہ حروف کے جوڑوں کا ہے۔ اس وقت جس طرح کے جوڑ استعمال ہوتے ہیں وہ سطروں کو اوپر یا نیچے بہت زیادہ گرا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی سیم اتنا نیچا جاتا ہے کہ دوسرے حروف پر چڑھ جاتا ہے اور کبھی مرکز اتنا اونچا ہوتا ہے کہ اوپر کی سطر سے ٹکرا جاتا ہے۔ اگر جوڑوں میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں گی تو اردو کی تحریریں سطروں میں خوش نما نظر آئیں گی اور کم جگہ گھیریں گی۔

(قومی آواز)

تصحیح

حافظ عبد الرحیم خاں توکلی کا مجموعہ کلام "سیلاب تخیل" حافظ وسیع الدین محمد پیرزادہ کان جھنجھنوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(ادارہ)

ریاستی اسمبلی میں سرکاری زبان بل متفقہ طور پر منظور

لسانی مسئلہ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے پر اظہار تاسف، چیف منسٹر مسٹر برہمانند ا ریڈی کی تقریر

حیدرآباد، ۲۷ر مارچ۔ آندھرا پردیش اسمبلی میں آج انگریزی کی بجائے تلگو کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کے تاریخی فیصلہ کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا اور تلگو زبان کو سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے آندھرا کے عوام کی ساٹھ سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں آج تلگو کو ریاست کی سرکاری زبان کے طور پر قبول کیا گیا۔ سرکاری زبان بل کے تحت ریاستی حکومت کو ریاست کے بعض مخصوص علاقوں کی حد تک اردو یا دوسری اقلیتی زبانوں کو بعض مخصوص سرکاری مقاصد کے لیے جیسا کہ نوٹیفکیشنز میں درج ہوگا استعمال کرنے کے اختیارات دئے گئے ہیں۔ سرکاری زبان بل میں اردو کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے چیف منسٹر جناب کے برہمانند ریڈی نے کہا کہ حکومت نے ایک ہی زبان۔ تلگو۔ کو سرکاری زبان تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بل کی دفعہ ۳ کے تعلق سے جس میں اردو کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کی بنا د پر لی جا رہی ہے کہ حکومت نے ان زبانوں کو بھی بطور سرکاری زبان تسلیم کیا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے تاہم چیف منسٹر نے بل میں لفظ "اردو" کی شمولیت پر ایوان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہا کہ بل میں لفظ "اردو" کی شمولیت اس کے تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ چیف منسٹر نے زبان اور مذہب کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کے خلاف انتباہ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے صرف زبان کو تحفظ دیا ہے۔ انھوں نے اپنے سابقہ تیقنات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ان برسوں میں اقلیتی زبانوں کو جو کچھ بھی تحفظات دئے جاتے رہے ہیں وہ آئندہ بھی اسی طرح جاری رہیں گے۔ وزیر قانون جناب پی وی نرسمہا راؤ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ جب کبھی سرکاری زبان بل کی دفعہ ۳ کے تحت مخصوص علاقوں میں مخصوص سرکاری مقاصد کے لیے "اردو" کے استعمال کے سلسلہ میں نوٹیفکیشنز جاری کیے جائیں گے ان کے ساتھ ہی اسی قسم کے نوٹیفکیشنز دوسری اقلیتی زبانوں مرہٹی، کنڑی، تامل اور اڑیا کے لیے بھی جاری کیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ اقلیتی زبانوں کو تحفظات دینے میں کسی خاص مدت کا تعین نہیں کیا گیا ہے اس یقین دہانی کے باوجود اپوزیشن ارکان نے بل کی دفعہ ۳ میں اردو کے ساتھ ساتھ دوسری اقلیتی زبانوں کے ناموں کے اندراج کے لیے ترمیم ضروری خیال کرتے ہوئے ووٹنگ کا مطالبہ کیا۔ ترمیم کی تحریک (۳۱) کے مقابلہ میں (۸۸) ووٹ سے ناکام ہو گئی۔ جناب وندے ماترم رام چندر راؤ کے علاوہ جناب راجگندر راؤ دیش پانڈے، دستو منتری، جناب ٹینٹی وشوناتھم (ڈی ایم ڈی) اور جناب پی راجگوپال نائیڈو نے مجوزہ بل کو اور خاص کر دفعہ ۳ کو "غیر دستوری" قرار دینے کی کوشش کی۔ سرکاری زبان بل کی دفعہ ۳ میں کہا گیا ہے کہ ریاستی حکومت وقتاً فوقتاً آندھرا پردیش گزٹ میں شائع ہونے والی نوٹیفکیشنز کے ذریعہ تلگو زبان کے ساتھ ساتھ اردو یا دوسری کوئی زبان یا زبانوں کو اس زبان یا ان زبانوں کے بولنے والے افراد کے مفاد کے پیش نظر انہی علاقوں اور انہی سرکاری مقاصد کے لیے اتنے ہی عرصہ کے لیے جیسا کہ نوٹیفکیشنز میں درج ہوگا استعمال کر سکے گی۔

چیف منسٹر نے مباحث کا جواب دیتے ہوئے اقلیتی زبانوں کو ریاست میں دئے جانے والے تحفظ کی یاددہانی کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتی زبانوں کو پچھلے عرصہ میں دیا جانے والا تحفظ کافی نہیں ہوگا انھوں نے کہا کہ ہم اپنی مادری زبان سے محبت کرتے ہیں، اسے اہمیت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمارے لیے یہ بھی اہم ہے کہ دوسری زبانوں کے خلاف تنفر قوں کو ابھرنے نہ دیں۔

بل میں اردو کے نام کی شمولیت پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں ریاست کی آبادی اور حالات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ان لوگوں کی تعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اردو زبان بولتے ہیں گو کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اس قسم کی تاریخی حقیقتوں کو اردو کا نام درج کرتے ہوئے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ترمیمات پر عوام کی رائے حاصل کرنے یا اسے جائنٹ سلیکٹ کمیٹی سے رجوع کرنے کی تجاویز مسترد کر دی گئیں۔ دوسری تمام ترمیمات یا تو مسترد کر دی گئیں یا پھر واپس لے لی گئیں۔ تاہم اپوزیشن نے لفظ "اردو" کے بعد مرہٹی، کنڑی اور اڑیا کے الفاظ درج کرنے کی تحریک پر رائے لینے پر زور دیا۔ جو (۳۱) کے مقابلہ میں (۸۸) ووٹ سے مسترد کر دی گئی۔ بعد میں "سرکاری زبان بل" کو تالیوں کی گونج میں متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔

(سیاست حیدرآباد)

سرکاری زبان بل اور اردو کا موقف

انجمن ترقی اردو کا بیان

حیدرآباد، ۲۵ر مارچ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے سرکاری زبان بل کا جو ۲۳ر مارچ کو ۱۹۶۶ء میں پیش کردہ غیر سرکاری، سرکاری زبان بل کی بجائے پیش کیا گیا ہے، بغور جائزہ لیا۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش ریاست کے اردو بولنے والے عوام کو مطمئن کرنے کی حکومت کی کوشش اور سرکاری زبان بل میں دفعہ سات کی شمولیت پر حکومت آندھرا پردیش کی ستائش کی ہے تاہم بل میں اردو کا حوالہ دینے کے انداز

ہے۔ انجمن نے اپنی بے اطمینانی اور مایوسی کا بھی اظہار کیا ہے کیونکہ کچھ عرصہ قبل انجمن اور دوسری اردو تنظیموں کی جانب سے غیر سرکاری، سرکاری زبان بل" میں مشترکہ طور پر جو ترمیمات پیش کی تھیں "سرکاری زبان بل" میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انجمن کے خیال میں بعض سرکاری مقاصد کے لیے ...... اردو کے استعمال کے لیے مدت کا تعین غیر ضروری ہے اس کی وجہ یہ شبہات ابھرتے ہیں کہ "اردو" کو سرکاری اور دوسرے مقاصد کے لیے عارضی طور پر استعمال کیا جائے گا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ بل کی دفعہ ۲ سے "اور دیئے گئے عرصہ کے لیے [illegible]" کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش محسوس کرتی ہے کہ سرکاری زبان بل کی دفعہ غیر موثر ثابت ہوگی۔ اگر اس سلسلے میں فوری ٹھوس اقدامات نہ اٹھائے جائیں اور ریاست میں اردو کو سابق میں جاری کردہ گورنمنٹ آرڈر کے ذریعہ دیئے گئے موقف کو فعلی اور یقینی شکل نہ دی جائے۔

(سیاست حیدرآباد)

راجستھان میں اردو بولنے والے بچوں کو اسی زبان میں تعلیم دی جائے

جے پور، ۲۷ / مارچ (یو این آئی) خیال ہے کہ راجستھان کے پرائمری اسکولوں میں جولائی سے دوسری علاقائی زبانوں کی تعلیم شروع ہو سکے گی جو بچے، سندھی، گجراتی، اور پنجابی بولتے ہیں انہیں اپنی مادری زبانوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل سکے گا۔ اقلیتی زبانیں بولنے والے لوگوں کے خطوط کا جواب ان کی مادری زبانوں میں دیا جائے گا، تمام اہم آرڈر نوٹیفکیشن اور بائیولاز کا ترجمہ علاقائی زبانوں میں شائع ہوگا۔ ریاستی سروسز میں ملازمتیں دیتے وقت ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا جب کسی پرائمری اسکول کی کسی جماعت میں دس طلبا یا کسی اسکول میں ۴۰ طالب علم ہوں گے تو ان کو مادری زبان میں تعلیم مل سکے گی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ امداد ان تعلیمی اداروں کو دی جائے گی جو اقلیتی زبانوں کے طلبا کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دیں گے۔

(الجمعیۃ)

کیا اردو دانوں کو قومی پالیسی سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے

محکمۂ اطلاعات اردو میں نشر و اشاعت کیوں نہیں کرتا

لکھنؤ ۲۳ / مارچ محکمۂ اطلاعات یو۔پی کے "کارنامے" آج یو۔پی اسمبلی میں اس وقت بے نقاب ہوگئے جب محکمے کے مطالبات زر پر مباحثے کے دوران ممبروں کے اس محکمے کو ذریعوں کے لاوارث چھینٹوں کا یتیم خانہ کے نام سے موسوم کیا۔

نائب وزیر اطلاعات جناب شانتی پرپن شرما کے پیش کردہ محکمہ اطلاعات کے مطالبہ زر پر مباحثے کے دوران اس محکمہ کو بے خبر محکمہ "ناقص اطلاعات کا محکمہ" اور سچائی کو چھپانے والا محکمہ کہہ کر ممبروں نے یاد کیا۔

سابق کمیونسٹ ممبر جناب چندر جیت یادو جو اب آزاد ممبر کی حیثیت سے ہیں، محکمہ اطلاعات پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے اردو زبان میں نشر و اشاعت کو بند کر دینے پر محکمے کی بری طرح خبر لی۔

جناب یادو نے کہا "یہاں اردو داں بھی رہتے ہیں کیا سیکولرزم سوشلزم اور منصوبہ بندی کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ کیا بنیادی قومی پالیسی کو انہیں سمجھانے کی کوئی حاجت نہیں رہی؟ کیا اردو دانوں کا قومی پالیسیوں کو چلانے میں کوئی ہاتھ نہ ہونا چاہیے؟"

انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ محکمہ اطلاعات شاید اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اردو دانوں کو بھی بنیادی قومی پالیسیوں کو سمجھایا جائے اس لیے اس نے اردو زبان میں نشر و اشاعت بند کر رکھی ہے۔

(قومی آواز)

مظفرپور میں معین شاہد کے اعزاز میں ایک ادبی نشست

مظفرپور، ۱۳ / مارچ ۹۶ء آج یہاں اعجازی ہاؤس میں موجود ہفتہ وار گیا کے ایڈیٹر جناب معین شاہد صاحب کے اعزاز میں ایک ادبی نشست ہوئی جس کی صدارت جناب شاہد الفاظی مرادآبادی نے فرمائی۔ جناب اصغر اعجازی ایڈوکیٹ نے اپنے مہمان خصوصی جناب شاہد صاحب کا تعارف کرایا۔

وہاب اشرف صاحب نے بھی اس موقع پر اپنی مختصر سی تقریر میں معین شاہد کی ادبی زندگی پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد معین شاہد نے اپنے مہربانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنی صحافتی زندگی پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی۔

معین شاہد نے آخر میں ڈاکٹر مغفور احمد اعجازی کے قومی، سماجی، مذہبی اور لسانی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب صحیح معنوں میں شمالی بہار میں اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر یہ حیرت ہوئی کہ موصوف اس پیرانہ سالی میں جوش و خروش اور لگن کے ساتھ اردو زبان کے حقوق دلوانے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔

آخر میں مشاعرہ کا دور شروع ہوا جس میں ایک درجن شعرا نے حصہ لیا جن میں صابر کریمی، زاہد بریلوی، اور شاکر کریمی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(اصغر اعجازی)

پل دو پل کی افتتاحی تقریب

دہلی ۹ / مارچ، کل شام مین موری پبلیکیشن کی پیش اردو کتاب "پل دو پل" (مجموعہ کلام صابر دت صاحب) کی افتتاحی تقریب منعقد

شاہراہ، اردو بازار میں ہوئی۔ ساحر لدھیانوی، سردار جعفری اور جاں نثار اختر کے علاوہ منظور احمد منظور، نظر تونسوی، پرکاش پنڈت، ڈاکٹر خلیق انجم، علامہ سحر عشق آبادی، گوپال متل، گلزار دہلوی، تاجور سامری اور دیگر ادبا و شعرا نے شرکت کی۔

چائے نوشی کے بعد جناب یوسف باسمی نے شاہراہ کے دوبارہ اجرا کے علاوہ صابر دت کے مختصر مجموعہ پل دو پل کے نسخے پیش کیے۔ اے جے کاردگل (قربیا) نے صابر دت کا تعارف کرایا۔ بعد ازاں صابر دت نے اپنی نظم ملاقات سنائی اور عرش صاحب نے ایک مشاعرے کی روداد سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ آخر میں سب ہی ادیب دوستوں نے صابر دت کو اس مختصر خوبصورت مجموعے پر مبارکباد دی۔

ساحر صاحب نے پل دو پل کے ایک نسخے پر حضرت جوش ملیح آبادی کا یہ دعائیہ شعر لکھ کر صابر دت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اللہ کرے، اے مرے کمسن شعرا
تم مجھ سے ہزار چند آگے بڑھ جاؤ
(جوش)

(ظفر ادیب)

صدیقی نیشنل انٹر کالج پیلی بھیت میں جشن تقسیم انعامات

اردو سوسائٹی کی طرف سے منعقدہ مختلف مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعامات تقسیم کیے گئے۔

یہ انعامات ... پروفیسر اطہر علی فاروقی (الہ آباد) نے اپنے دست مبارک سے طلبہ کو عنایت کیے۔

محمد انصار اللہ نظر (نگراں اردو سوسائٹی) نے پروفیسر اطہر علی فاروقی صاحب کا تعارف کرایا اور یہ بھی بتایا کہ موصوف پیلی بھیت بنجاروں کے لوک گیت جمع کرنے کے سلسلے میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے۔

پروفیسر فاروقی صاحب نے طلبہ کے سامنے مضمون نگاری کے اصول اور لوک گیتوں کی اہمیت سے متعلق ایک پر مغز تقریر فرمائی۔

آخر میں جناب سید عبد الجلیل حسنی پرنسپل صدیقی نیشنل انٹر کالج پیلی بھیت بہ حیثیت سرپرست اردو سوسائٹی حاضرین اور خصوصیت سے پروفیسر فاروقی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور انعام پانے والے طلبا کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ آئندہ طلبا اس نوعیت کے مقابلوں میں زیادہ گرمجوشی دکھائیں گے اور اپنی زبان و ادب سے زیادہ دلچسپی لیں گے۔

(محمد امین سکریٹری)

یوپیا کی جانب سے یوم غالب

یوپیا کی جانب سے گذشتہ ماہ ایک خالص علمی، ادبی اور تفریحی پروگرام کے انداز پر یوم غالب برلا کریڈا کندر ہال (چوپاٹی) میں منایا گیا۔ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید (پرنسپل) نے فرمائی اور جناب ظ انصاری نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔

غالب سے متعلق مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی ایک خوبصورت نمائش کا انتظام حامد اللہ ندوی نے کیا۔

پروگرام کی ابتدا میں غالب کی ایک تصویر پر گل افشانی کی گئی ساتھ ہی پس منظر سے غالب کے مقطعے مختلف آوازوں میں ترنم اور تحت اللفظ میں پڑھے گئے۔

بمبئی یونیورسٹی کے کالج کی طالبات نے غالب کی ایک غزل کو نہایت مترنم اور شیریں آواز میں ساز و نغمہ کے ساتھ پیش کیا۔

اس کورس کے بعد غالب کی ایک غزل سعید خان نے ساز پر گائی۔

پروفیسر کامران سینٹ زیویرس کالج بمبئی نے غالب کی فارسی غزل اپنے ایرانی لب و لہجہ میں ساز کے ساتھ سنائی۔ غالب کی دوسری غزلیں بھی گائی گئیں۔

اس نغمہ طرازی کے بعد یوپیا کے صدر سید محمد زیدی صاحب نے جلسہ کے صدر ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید صاحب سے صدارتی تقریر کی گذارش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ شاعری کے مقابلہ میں غالب کی نثر نگاری زیادہ قابل قدر چیز ہے۔ انھوں نے غالب کے ایسے خطوط کے کچھ نمونے سنائے جن سے غالب کے تعلقات، ان کی وسیع المشربی اور برادرانہ محبت کے پہلوؤں پر روشنی پڑتی تھی۔ مہمان خصوصی ظ انصاری صاحب نے غالب کی حیات، شخصیت اور شاعری پر پر مغز تقریر کی۔ سکندر علی وجد صاحب نے غالب سے متعلق برجستہ سوالات کے جوابات دیے۔

اس پروگرام کے آخری حصہ میں کالج کے طلبا کی جانب سے غالب پر دو ڈرامے پیش کیے گئے۔

ڈاکٹر آدم شیخ کے شکریہ کے ساتھ یہ یادگار جلسہ ختم ہوا۔

(ڈاکٹر سید عبد الحی رضا
معتمد اعزازی یوپیا)

UPIAA اردو، پرشین، اسلامک کلچر یوپیا جانے والے کالج کے سابق و حالیہ طلبہ پر مشتمل ایک علمی و ادبی جماعت۔

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

تبصرہ

وحید اختر

سندباد

مصنف: عمیق حنفی

ناشر: عبدالحمید حنفی، ۸۱۸ راجہ گلی، مہو چھاؤنی۔ اندور

قیمت: ڈیڑھ روپے

عمیق حنفی اردو کے ان شاعروں میں سے ہیں جو آزادی کے بعد منظر عام پر آئے، پچھلے چند برسوں میں انھوں نے اپنے نئے تجربوں اور اچھوتے انداز بیان سے اردو خواں حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ سندباد ان کی پہلی طویل نظم ہے۔ ہماری شاعری میں کلاسیکی اصناف مثنوی اور مرثیے سے قطع نظر طویل نظم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ذیل میں ہم بمشکل چند شاعروں اور چند نظموں کے نام لے سکتے ہیں، سردار جعفری کی "نئی دنیا کو سلام" اختر الایمان کی بعض طویل مختصر نظمیں، ساحر کی "پرچھائیاں" جعفر طاہر کے کینٹو، عبدالعزیز خالد کی کچھ طبعزاد نظمیں اور کچھ ترجمے اور ساحر کی ۱۸۵۷ء۔ ان کے علاوہ بھی بعض شاعروں نے طویل نظمیں لکھی ہیں اور ایسی نظمیں بھی جو مختصر نظم کے فارم میں ہوتے ہوئے طویل ہیں جنھیں طویل مختصر افسانے کی طرح طویل مختصر نظمیں کہا جا سکتا ہے۔ جن طویل نظموں کا اوپر ذکر کیا ہے، ان میں سے بھی کچھ ایسی ہیں جنھیں ہم ایک ہی جیسے موضوعات پر لکھی گئی مختصر نظموں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ نہ صرف ان میں مختلف بحریں استعمال ہوئی ہیں بلکہ موضوعات بھی بدل گئے ہیں۔ ادھر بعض اساتذہ نے مثنوی کے فارم کو بھی دوبارہ برتنا شروع کیا ہے جیسے جمیل مظہری کی "آب و سراب" اور اختر انصاری کی "درد و داغ" موخر الذکر نظم ابھی منظر عام پر بھی نہیں آئی۔

منظوم ریڈیائی فیچروں کو بھی، بشرطیکہ وہ ادب کے معیار پر پورے اتریں، اس سرمایے میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اردو طویل نظم کے اس مختصر سرمایے کو دیکھتے ہوئے عمیق حنفی کا یہ تجربہ کئی حیثیتوں سے توجہ طلب ہو جاتا ہے۔ ایک تو فارم کے لحاظ سے، دوسرے انداز بیان کے نئے پن کے ساتھ، موضوع کی وسعت و پیچیدگی کی وجہ سے اور تیسرے نئی دنیا کے مسائل کو نئے طرز احساس کے ساتھ بالواسطہ اور اشاریتی انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی حیثیت سے۔ طویل نظم یا تو عام طور پر بیانیہ ہو جاتی ہے یا مکالماتی اور ڈرامائی یا خطیبانہ۔ اس کے موضوع و مسائل بھی بیشتر خارجی ہوتے ہیں۔ عمیق حنفی کی نظم نہ بیانیہ ہے، نہ مکالماتی اور ڈرامائی، نہ خطیبانہ نہ خالص خارجی مسائل سے متعلق۔ اس فارم کے ساتھ موضوع کو برتنے کا بھی ایک نیا تجربہ ہے۔

بادی النظر میں "سندباد" مختصر نظموں کا ایک سلسلہ معلوم ہوتی ہے۔ جب یہ نظم پہلی بار "فنون" میں شائع ہوئی تب میرا بھی پہلا تاثر یہی تھا، جن لوگوں کی رائیں اس کتاب میں شامل ہیں ان میں خلیل الرحمٰن اعظمی کی رائے یہی ہے کہ یہ ایک سلسلے میں بندھی ہوئی نظموں کا سلسلہ ہے جن میں ایک نوع کی مرکزیت ہے۔ کتابی صورت میں شائع کرتے وقت شاعر نے اس نظم میں خاصی تبدیلیاں کی ہیں اور ہر حصے کی ابتدا میں اشارے دیئے ہیں ان اشاریوں کی وجہ سے نظم میں وحدت و مرکزیت تو پیدا ہوتی ہے لیکن یہ گمان ضرور ہوتا ہے کہ یہ "اقتباسات" پہلے سے شاعر کے ذہن میں نہ تھے بلکہ ان کا اضافہ بعد میں اسی مقصد سے کیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان حصوں کو لکھتے وقت صرف شاعر کا اپنا احساس اور تجربہ ہی رہنما تھا اور یہ نظمیں بالکل اور مختلف ہیں۔ ان اقتباسات سے نظموں کی [illegible] ایک حد تک متاثر ہوتی ہے۔ ہر حصے کی بحر بھی جدا ہے اور مسائل بھی، اس کے باوجود ان تمام ٹکڑوں کو موضوع کی مرکزیت نے مربوط کر دیا ہے۔ اس نظم کے منظوم پیش لفظ "بندرگاہ کی چوکی پر" نے بھی بظاہر الگ الگ ٹکڑوں کو مربوط کرنے کا اچھا جواز پیش کیا ہے۔

کتنے بابوں سے بنتی ہے ایک کتاب
وحدت بالکثرت کی مثال
یہ فن پارہ
ایک ہے اپنے شاعر کے ذہن کی مانند، ایک

سندباد علامت ہے نئے ذہن کی۔ اس بیسویں صدی کا نیا ذہن جو دو جنگوں کی بھٹی میں تپ چکا ہے اور اب بھی سلگ رہا ہے، سفر ہے روح اور ذہن کی بھول بھلیاں اور بدن خانے کا، خارجی دنیا کی تمام تصویریں، تمام عکس ذہن کے اس آئینہ خانے میں جھلک رہے ہیں۔ اس سفر پر نکلنے والے کے پاس نقشہ ہے نہ دوربین نہ قطب نما، مفروضات نظریے، عقائد، وعدے، نعرے، فارمولے، منشور سب سمندر کی لہروں میں ڈوب چکے ہیں۔ انا کے بادبان پھٹے ہوئے ہیں، زاد سفر ہے فکر، شعور، احساس اور ضمیر۔ سمندر علامت ہے ہر گھڑی بدلتی ہوئی حقیقت کی تیز رفتار تبدیلیوں کی۔ اپنے اس ذہنی سفر میں شاعر اپنے ذہن اور دوسروں کے ذہن سے گزرتا ہے۔ یہ صرف ذہنی واردات نہیں بلکہ خارجی حقیقت کے سچے تجربے ہیں جن کو پیش کرنے میں عمیق حنفی نے بڑی باریک بینی اور وسعت نگاہ کا ثبوت دیا ہے۔ نہ صرف ان کا مطالعہ وسیع ہے بلکہ ان کی نظر میں گہرائی بھی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں طویل نظم لکھنے کی بنیادی شرط ہیں۔ ان شرائط کی تکمیل کے ساتھ ان کی شدت احساس اور طنز نے جس میں درد مندی و سوگواری کی ہلکی سی لہر شامل ہے، اس نظم کو ایک منفرد تجربہ بنا دیا ہے۔

نظم کے بعض ٹکڑے، اس وحدت کا ایک جزو ہونے کے

ساتھ ساتھ اپنی جگہ مستقل اور مکمل نظم کی حیثیت سے بھی بہت کامیاب ہیں۔ جیسے "شہر نا الٰہ میں"، "ملک ہے مجرد شام"، "سفر کے متعلق"، "بیلا سیو"، "جزیرے کا دل"، "مصلوب روشنیاں"، "افریقہ کی طرف"۔ اس نظم کا آخری شعر مختلف حصوں میں، چند لفظی تبدیلیوں کے ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے ؎

آج ایمان کا کوئی مسکن نہیں
کوئی مادی نہیں، کوئی معانی نہیں

یہ شعر ایک جگہ یوں بھی آیا ہے ؎

معبد دل کے چراغوں میں دھواں ہیں
آج ایمان کا کوئی مسکن نہیں

یہی وہ وحشت انگیز راز ہے جسے شاعر اس ذہنی سفر کے نتیجے کے طور پر ڈھونڈ کر لایا ہے، مگر اس نفی سے وہ اثبات کی طرف قدم اٹھانا چاہتا ہے، کسی ایمان، کسی عقیدے، کسی سچائی کی تلاش۔ ابھی یہ تلاش ختم نہیں ہوئی جاری ہے ابھی دیکھنا ہے کہ شاعر اپنے اگلے سفر میں کس حد تک کامیاب رہتا ہے۔

جو لوگ جدید شاعری اور نئے تجربوں سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے یہ کتاب ایک دعوت نظر ہے۔ جو نئے تجربوں اور جدید ذہن کے اظہار کی کوششوں سے بدظن ہیں، وہ اگر تھوڑی سی زحمت اٹھا کر اس نظم کا مطالعہ کریں تو شاید ان کے رویے میں تبدیلی ہو۔ کہیں کہیں اس نظم میں بیان کا جو جھول اور لفظوں کے استعمال میں جو تھوڑی سی بے احتیاطی نظر آتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس نئے اور جرأت مند، نہ تجربہ کی اولیت اور بالکل ہی نئے اور انوکھے تجربوں کے بیان کی کوشش کے سامنے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

صفحہ ۳ سے آگے

"ریاض الفصحا" کی تکمیل کے زمانے میں (۱۲۳۶ھ) ستر سال کے قریب (چھیاسٹھ برس) رہی ہوگی۔ دیوان کے دیباچے میں کتابت کی غلطی کا امکان اس لحاظ سے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۲۴ھ سے صرف تین سال قبل حکیم قدرت اللہ قاسم پورے وثوق کے ساتھ ان کے کل تین اردو دیوانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور تین سال کے مختصر عرصے میں مزید تین دیوانوں کا مرتب ہو جانا بظاہر بعید از قیاس ہے۔ ۱۲۲۴ھ کی بجائے ۱۲۳۴ھ میں دیوان کی ترتیب کے متعلق ہمارے قیاس کی تائید کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مصحفی کا کل شعری سرمایہ سات دیوانوں پر مشتمل ہے۔ اگر چھٹے دیوان کی ترتیب کا زمانہ ۱۲۲۴ھ تسلیم کیا جائے تو دیوان ہفتم کو ۱۲۲۴ھ کے بعد سے ۱۲۴۰ھ میں وفات کے زمانے تک کی تمام تخلیقات کا مجموعہ ماننا پڑے گا۔ ایسی صورت میں یہ بات بہت عجیب ہوگی کہ تین سال کے عرصے میں تین دیوان مرتب ہو گئے لیکن سولہ سال کی شعری کاوشیں ایک دیوان سے زیادہ کی شکل نہ ہو سکیں۔

اسی طرح "ریاض الفصحا" میں بھی چونکہ مصحفی نے تیس سال کی عمر میں دہلی سے ہجرت کا ذکر کرنے کے بعد عمر کا تعین کیا ہے اور اس وقت ان کے اپنے بیان کے ہوئے سنہ ورود کی روشنی میں انھیں لکھنؤ آئے ہوئے اڑتیس سال ہوئے تھے اس لیے یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ ان سے قیام کی اس مدت کا اندازہ کرنے میں پورے دس سال کا سہو ہوا ہو۔

سنہ ولادت کی اس بحث کے سلسلے میں تاریخ وفات کے ایک قطعے کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ قطعہ کسی مجہول الاحوال شاعر صاحب رام کی تصنیف ہے اور مصحفی کے شاگرد غلام اشرف افسر واشرف نے اپنے ایک دیوان میں نقل کیا ہے۔ قطعہ یہ ہے ؎

مصحفی چوں از جہاں رحلت نمود　　بستہ نقش جلد ہفتم بر دوام
گفت صاحب رام تاریخ وفات　　مصحفی معنی ز دنیا گشتہ گم

امیر احمد علوی نے اپنے مضمون میں اس قطعے کے مصرع ثانی کو نشان زد کر کے حاشیے میں لکھا ہے کہ "یہ مصرع سمجھ میں نہیں آتی" واقعی مضمون بڑا پیچیدہ ہے اور بظاہر اسے معنی پہنانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ۱۱۶۰ھ کو سال ولادت مان لیا جائے تو اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ شاعر نے مصحفی کی عمر کے ہر دس برس کو تب زندگی کی ایک جلد سے تعبیر کیا ہے اور مصحفی ۱۲۴۰ھ میں زندگی کے وقت اس قسم کی سات جلدیں مرتب کر چکے تھے یعنی ان کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔

مجموعہ نغز جلد دوم بہ نگار مصحفی نمبر حاشیہ ص ۴۴

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) ... نے ... مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا